راہ آسان ہو گئی

اسماء قادری

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

راہ آسان ہوگئی

اسما قادری

چاول دم پر رکھے ہیں انیلا! پانچ منٹ بعد انہیں دیکھ لینا اور ساتھ تھوڑی سی سلاد بنا لینا خبردار جو باپ سے رائتہ بنانے کے لیے دہی لانے کی فرمائش کی ہو تو ..... قیمتوں کو تو آگ لگی ہوئی ہے۔ پاؤ بھر دہی پچیس چھبیس روپے سے کم میں نہیں آتا۔ یہاں پہلے ہی اخراجات کنٹرول سے باہر ہو رہے ہیں۔ بٹی

بیاہنا تا کوں چنے چبانے سے بھی زیادہ مشکل ہو گیا ہے اور ہاں ٹن' بیلا اسکول سے آجائے تو اسے لمبی تان کر سونے مت دینا بلکہ اس کے ساتھ مل کر گھر کی اچھی طرح صفائی کر لینا۔'' پیر میں چپل اڑس کر چادر اوڑھنے کے دوران ندرت بیگم نے ایک ہی سانس میں کافی کچھ ارشاد کر دیا۔

ان کے ساتھ ہی بازار جانے کو تیار کھڑی عدیلہ نے بڑی بے نیازی سے یہ سب سنا اور دھیمے سے مسکرانے لگی۔ مسکراہٹ کے یہ پھول یوں بھی آج کل وجہ بے وجہ ہی اس کے ہونٹوں پر کھلنے لگتے تھے اور دیکھنے والے کو صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی ہے۔ یہ دنیا بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی کیونکہ سب ہی جانتے تھے کہ بس کل بیس دن بعد عدیلہ پیا گھر کے لیے روانہ ہونے والی ہے اور ظاہر ہے ایسی لڑکی کو تو خوابوں کی دنیا میں بس مسکرانا ہی مسکرانا تھا۔ اس سے چھوٹی انیلا نے البتہ کچھ بدمزگی سے ماں کا یہ حکم نامہ سنا تھا...... اسے طہاری، رلتے کے بغیر سخت ناپسند تھی اور یہاں یہ حال تھا کہ ندرت بیگم کی بچت اسکیم کی ساری تان کھانے پر ہی آکر ٹوٹتی تھی۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا گھر میں عدیلہ کے سسرالی مہمانوں کی آمد پر اچھا پکنے کے سوا کچھ ڈھنگ کا پکتا ہی نہیں تھا اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ اسے گوشت، مرغی یا مچھلی کھانے کی خواہش دل میں ابھرنے پر بڑے خشوع وخضوع سے یہ دعا مانگنی پڑتی تھی کہ کسی طرح عدیلہ کی سسرال والے اپنی آمد کا فون کر ڈالیں۔ ایسا ہر فون آنے پر ندرت بیگم بے شک مہنگائی کا رونا تو خوب، خوب روتی تھیں لیکن خاطر مدارات میں بہر حال کوئی کسر باقی نہ رکھی جاتی تھی سو کھانے پینے کی شوقین انیلا کام کا بہت سا بوجھ شانوں پر آپڑنے کے باوجود خوش رہتی تھی کہ مہمانوں کا بچا کھچا آخر کار گھر والوں کے حصے میں ہی آتا تھا اور وہ اماں کے بعد آج کل کچن کی سیکنڈ انچارج ہونے کی وجہ سے کافی کچھ ویسے ہی خرد برد کر لیتی تھی۔ عدیلہ کو شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد سے کچن سمیت گھر کے جملہ کاموں سے چھٹی ملی ہوئی تھی اور اسے دن رات فارغ بیٹھ کر خواب بُننے کے علاوہ صرف شاپنگ کی مصروفیت ہی درپیش تھی اور ظاہر ہے وہ یہ کام پورے جوش وخروش سے کرتی تھی۔

''میں نے کہا دلدار صاحب! ذرا دس ہزار روپے تو دیجیے گا۔'' اس سے قبل کہ انیلا ماں کے احکامات پر صدائے احتجاج بلند کرتی، وہ روئے سخن اخبار کے مطالعے میں مصروف اپنے شوہر نامدار کی طرف کر چکی تھیں۔

''وہ کس سلسلے میں بھئی؟'' دلدار صاحب نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹائے بغیر دریافت کیا۔

''بازار جا رہی ہوں۔ خالی ہاتھ تو جانے سے رہی۔'' انہوں نے تنک کر جواب دیا۔

''آپ کے یہ بازار کے چکر آخر کب ختم ہوں گے۔ میری جمع پونجی ختم ہونے لگی ہے لیکن آپ کی خریداریاں ختم نہیں ہو رہیں۔ کچھ خیال سے خرچ کیجیے آگے دو اور بھی بیاہنی ہیں۔'' آخر کار دلدار صاحب کا چہرہ اخبار کے پیچھے سے طلوع ہو ہی گیا اور انہوں نے ناک کی پھنگ پر پھسلتے چشمے کو سنبھالتے ہوئے بیگم کو نصیحت کی۔

''مجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ آگے دو اور بیاہنی ہیں، اسی لیے بڑی کے لیے اتنے پاپڑ بیل رہی ہوں۔ اس کا بیاہ ڈھنگ سے کروں گی تو آگے باقی دو کے لیے بھی آسانی ہو گی۔ آج کل لوگ بہت دیکھ بھال کر رشتے کرتے ہیں اور لڑکی کی شرافت، سلیقے اور شجرے سے زیادہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ جہیز کیسا لائے گی۔ اگر ہم نے بڑی کے معاملے میں کنجوسی دکھائی تو بعد والیوں کی طرف سے مایوس ہو کر لوگ اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔'' ندرت بیگم نے جواباً شوہر کو پورا لیکچر سنا ڈالا۔ وہ سادہ آدمی تھے جو زندگی بھر زیادہ تر بیوی کی ہی سنتے رہے تھے۔ کبھی کسی بات پر اختلاف کیا بھی تو بیگم نے اپنے دلائل سے انہیں قائل کر لیا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا اور انہوں نے الماری سے دس ہزار روپے نکال کر خاموشی سے اُن کے ہاتھ پر لا رکھے۔

''آپ پریشان مت ہوں، اب تو تقریباً ساری تیاری ہو گئی ہے بس چند چھوٹی موٹی چیزیں باقی ہیں جن کے لیے میں عدیلہ کو بازار لے جا رہی ہوں، آگے آپ کو زیادہ زحمت نہیں دوں گی۔'' مطلوبہ رقم ہاتھ میں آگئی تھی لہٰذا انہوں نے شوہر کی دلجوئی میں کوئی حرج نہیں سمجھا ویسے دیکھا جائے تو وہ شوہر کو بے جا تنگ کرنے والی عورتوں میں سے تھی نہیں۔ اپنی ذات کے لیے تو انہوں نے بہت کم ہی کبھی کوئی فرمائش کی ہو گی۔ گھر کے اخراجات بھی حتی الامکان بچت کے ساتھ ہی پورے کرتی تھیں لیکن پہلی بیٹی کی شادی کرتے وقت ایک خاص زاویے سے سوچنے کی وجہ سے وہ کچھ فضول خرچی کی مرتکب ہو رہی تھیں اور اپنی اس فضول خرچی کو گھر کے چھوٹے، چھوٹے اخراجات میں تنگی کر کے کور کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

☆☆☆

''اماں! یہ واٹر سیٹ دیکھیں کتنا خوب صورت ہے۔'' اپنی تیار کردہ فہرست کے مطابق چھوٹی موٹی اشیا کی خریداری سے فارغ ہو کر دونوں بازار سے نکلنے ہی لگی تھیں کہ کراکری کی ایک دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے نمایاں طور پر سجے ایک واٹر سیٹ کو دیکھ کر عدیلہ مچل گئی۔

''ہاں، واقعی خوب صورت تو ہے۔'' ندرت بیگم نے بھی رک کر اس نفیس و نازک سیٹ کو دیکھا اور اس کی تائید کی۔

غزل

نام لکھتے ہیں تیرا اور مٹا دیتے ہیں
کھیل کھیل میں یوں خود کو سزا دیتے ہیں

عشق پہ ظلم کی دیکھی ہیں مثالیں کتنی
پھول پہ بیٹھی تتلی بھی اڑا دیتے ہیں

شام کی سرد ہوا سسکتے ہوئے کہنے لگی
مل کے دردِ جگر آج بہا دیتے ہیں

ہم نہ کہتے تھے یہ دنیا ہے فریبی ساری
ایک سنتے ہیں مگر چار لگا دیتے ہیں

داد دے، حوصلے کی نظریں تو ملا کبھی
ہم تو اغیار تیرے پہلو میں بٹھا دیتے ہیں

ہے یہ اعتراف محبت میں نظر آتا نہیں
اور وہ بات ہنسی میں ہی اڑا دیتے ہیں

تیرگی اپنے بدن میں تو نظر آتی نہیں
شام ڈھلتی ہے تو شمعیں سی جلا دیتے ہیں

لگی ہے کب سے بے تاب نگاہوں کو تیری آس
کشمکش میں یونہی رات بتا دیتے ہیں

شاعرہ: فصیحہ آصف خاں، ملتان

''تو پھر مجھے یہ دلا دیں ناں...... ویسے بھی آپ نے میرے لیے جو کراکری لی ہے، اس میں واٹر سیٹ تو ہے ہی نہیں۔'' عدیلہ نے ان سے فرمائش کی تو انہیں دکان کی طرف قدم بڑھانے ہی پڑے اور بولیں۔

''چلو معلوم کرتے ہیں اس کی کیا قیمت ہے۔''

"ڈھائی ہزار......" دکان دار نے ان کے استفسار پر سیٹ کی قیمت بتائی تو وہ بجھ سی گئیں کیونکہ ان کے بٹوے میں اب کل بارہ سو روپے ہی باقی بچے تھے پھر بھی بیٹی کی خواہش کو دیکھتے ہوئے ہمت کی اور کمر ٹھونک کر میدان میں اتر آئیں۔

"دینے والی بات کرو بھائی...... ڈھائی ہزار تو بہت زیادہ بتا رہے ہو تم۔" ان کے خیال میں وہ بھاؤ تاؤ کر کے سیٹ کی قیمت کو اپنے بٹوے میں موجود رقم تک لاسکتی تھیں۔

"معاف کیجیے گا بہن...... شاید آپ نے باہر لگا فکسڈ پرائز کا بورڈ نہیں دیکھا۔ ہماری دکان پر سارا امپورٹڈ مال ہوتا ہے اور ہم اسے بغیر جھک جھک کے ایک ہی دام پر سیل کرنا پسند کرتے ہیں۔" دکان دار نے آنِ واحد میں ان کا سارا حوصلہ ختم کر دیا اور اس کی بات سننے کے بعد ان کے پاس مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

"میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں بیٹا، تم کوئی دوسرا ہلکا سیٹ پسند کرلو۔" انہوں نے سرگوشی میں عدیلہ کو سمجھایا۔

"رہنے دیں اماں..... گھر چلتے ہیں۔" عدیلہ ان کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر لے آئی۔ وہ والدین کی پہلی اولاد تھی اس لیے اس کے دوسروں کے مقابلے میں ذرا زیادہ ہی لاڈ اٹھائے گئے تھے اور اس کی یہ عادت سی بن گئی تھی کہ اپنی پسندیدہ شے لینے پر بے شک اصرار نہیں کرتی تھی لیکن اس سے کم تر پر سمجھوتا بھی نہیں کر پاتی تھی۔ اس کی عادت سے واقف ندرت بیگم نے بھی مزید اصرار نہیں کیا اور باتوں باتوں میں اسے سمجھانے کے لیے بولیں۔

"ماشاء اللہ تمہارا جہیز بہت اچھا تیار ہوا ہے۔ تمہاری خالہ، پھپو، ماموں اور چچاؤں کی طرف سے بھی گھر کی پہلی شادی ہونے کی وجہ سے بہت اچھے گفٹ دیے جا رہے ہیں۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ نظروں میں آنے والے بڑے، بڑے آئٹمز میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ کراکری میں ماربل، کانچ، پلاسٹک سب کے اتنے زبردست ڈنر سیٹ لیے ہیں کہ واٹر سیٹ جیسی چھوٹی موٹی چیز کی طرف کسی کی توجہ بھی نہیں جائے گی۔" جواب میں عدیلہ نے ہوں کی نہ ہاں اور خاموشی سے ان کے ساتھ چلتی رہی۔ اس کا انداز دیکھ کر ندرت بیگم نے سوچا کہ جہاں لاکھوں خرچ ہو رہے ہیں وہاں ڈھائی ہزار کے واٹر سیٹ کے لیے گھر سے رخصت ہونے والی بیٹی کا دل کیا ملول کرنا...... ابھی تو مجبوری ہے کہ رقم ہی پوری نہیں دوبارہ جب بازار آنا ہوگا تو اس کے لیے اس کی پسند کا واٹر سیٹ خرید لیں گی۔ حقیقتاً اسٹائلش جگ گلاس پر مشتمل وہ نازک سا سیٹ خود اُن کے دل کو بھی بہت بھایا تھا لیکن خدا کا کرنا کچھ یوں ہوا کہ آنے والے دنوں میں وہ کچھ اس طرح سے مصروف ہوگئیں کہ اس سیٹ کا خیال ہی ان کے ذہن سے محو ہوگیا۔ خود عدیلہ نے بھی دوبارہ اس کا ذکر نہیں نکالا...... شاید شادی کی گہما گہمی، ہنگامے اور آنے والی خوشیوں کے خیال نے اتنی چھوٹی سی شے کا خیال دل میں جنم ہی نہیں دیا اور وہ مقررہ تاریخ پر پلکوں پر ڈھیروں سپنے سجائے خوشی، خوشی پیا دیس سدھار گئی۔

☆☆☆

سسرال میں اس کا استقبال روایتی جوش و خروش سے کیا گیا۔ دولہا، دلہن کے گھر کی دہلیز پار کرنے سے قبل صدقے کے کالے بکرے کو ہاتھ بھی لگوایا گیا اور پھولوں کی پتیاں بھی نچھاور کی گئیں۔ ڈھیروں عزیزوں کے درمیان کھیر چٹائی کی رسم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر گروپ فوٹوز بھی بنائے گئے تب کہیں جا کر عدیلہ کو حجلۂ عروسی میں پہنچنا نصیب ہوا۔ پارلر میں دلہن بننے کی گھنٹوں کی خواری کے بعد اس مرحلے تک پہنچنے میں وہ سچ مچ خاصی تھک گئی تھی اور کمر اکڑ کر تختے کے مانند محسوس ہونے لگی تھی لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اس نے ہر، ہر مرحلے سے خوب لطف اٹھایا تھا اور دل اتنا خوش تھا کہ کچھ بھی ناگوار نہیں گزر رہا تھا یہاں تک کہ ایسا لگتا تھا کہ زندگی میں کبھی کسی دکھ، کسی محرومی یا تلخی کا سایہ بھی نہ پڑا ہو۔ ملنے والی خوشی نے ایک دم ہی یادداشت سے ہر برے احساس کو مٹا دیا تھا اور اسے لگتا تھا کہ آج کے بعد سے اس کی زندگی میں خوشیوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اس کا شوہر آفاق دور کا ددھیالی رشتے دار تھا۔ خاندان کی ایک تقریب میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ دونوں ہی نوجوان اور خوب صورت تھے اس لیے قدرتی طور پر ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی بھی محسوس کی تھی لیکن کم از کم عدیلہ کی حد تک یہ پسندیدگی ایسی نہیں تھی کہ وہ اس روز ہی آفاق کی محبت میں مبتلا ہو جاتی البتہ جب اس کے لیے آفاق کا رشتہ آیا اور پھر منظور بھی کرلیا گیا تو وہ خود بخود اس کے لیے محبت کے جذبات محسوس کرنے لگی۔ ان جذبات کی شدت میں اس وقت مزید اضافہ ہوگیا جب اس کی سب سے چھوٹی نند نے اسے آگاہ کیا کہ یہ رشتہ آفاق کی پسند پر طے کیا گیا ہے اور آفاق اس پر اس بری طرح فریفتہ ہوگیا ہے کہ جلد از جلد اسے اپنی دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ نند کی بات کی تصدیق یوں ہوگئی کہ رشتہ طے پانے کے بہ مشکل آٹھ ماہ کے اندر ہی شادی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی حالانکہ ندرت بیگم کا اصرار تھا کہ انہیں تیاری کے لیے کم سے کم سال بھر کی مہلت دی جائے لیکن آفاق کی والدہ نے "ہمیں آپ کی بیٹی کے سوا کچھ درکار نہیں۔" کہہ کر بات ہی ختم کر دی۔ آفاق کی والدہ کی کہی بات کے باوجود ندرت بیگم نے حتی الامکان اس کے لیے بہت شاندار جہیز تیار کیا تھا اور اب وہ اپنے اس شاندار جہیز سمیت سجی بنی اپنی سسرال میں موجود تھی۔ آفاق نے اپنے جذبات کی شدت کے باوجود منگنی سے

لڑائی سے روک لو

اللہ پہ رکھو ایمان دل سے میرے لوگو
نیکی کا حکم دے کر برائی سے روک لو

دل سے برا جانو برے کاموں کو سب کے
برائی کو ختم کرنے میں طاقت بھی لگا لو

اکڑو کبھی نہ خود پہ نہ چھپ کے بدی کرو
مشکل پڑے جو آکے صبر سے تم کام لو

تلقین کرو سب کو گناہوں سے دور ہوں
اور خود بھی گناہوں سے پرہیز تم کرو

قربِ خدا کی جب بھی تمنا ہو شگفتہ
اصلاحِ معاشرے کا فریضہ ادا کرلو

شاعرہ...... شگفتہ شفیق، کراچی

موت

"جب تک میں ہوں موت نہیں ہے اور جب موت آئے گی میں نہ ہوں گا۔ اس طرح میری اور موت کی ملاقات ایک دوسرے سے کبھی نہ ہوگی پھر میں کیوں اپنی عمرِ عزیز کو بے فائدہ موت کے خوف سے تباہ کروں۔"

قول: اپیکورس
مرسلہ: روبینہ مجید روبی، ہڑالی



شادی تک کے عرصے میں کبھی اس سے بات چیت یا میل ملاپ کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی البتہ عدیلہ کے کانوں تک اس کی یہ بات ضرور پہنچی تھی کہ میں اس سے اپنے ہر جذبے کا اظہار اسی وقت کروں گا جب وہ شرعی اور قانونی طور پر میری بن کر میرے روبرو آئے گی۔ ایسے دیوانے کے روبرو پہلی بار خلوت میں ملاقات کے خیال سے اس کی سانسیں اتھل پتھل ہورہی تھیں اور دل تھا کہ بار بار دھڑکنا بھول رہا تھا۔ اسٹیج پر آفاق کے پہلو میں بیٹھنے سے لے کر اس کے ہمراہ پھولوں سی سجی کار میں کندھے سے کندھا جوڑ کر سفر کر کے سسرال پہنچنے اور یہاں مختلف رسوم کی ادائیگی کے دوران کئی بار اس کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔ اس پر شادی شدہ خواتین کے ذومعنی فقرے تھے جو اسے شرم سے گردن جھکا لینے پر مجبور کردیتے تھے لیکن سچ یہی تھا کہ اسے یہ سب اچھا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے اس انوکھے تجربے سے پوری طرح لطف اندوز ہورہی تھی۔ خواب گاہ کے دروازے پر آفاق اس کے ساتھ ہی رہا اور بہنوں، بھابیوں نے من چاہا نیگ وصول کر کے دلہن کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی اس کے بعد وہ تو اندر پہنچا دی گئی البتہ آفاق کو اس کے دوست اور کزنز گھیر کے لے گئے چنانچہ اب وہ تنہا وہاں بیٹھی مزے سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ کمرا خاصا کشادہ تھا جس میں اس کے جہیز کا فرنیچر بڑے قرینے سے لگایا گیا تھا۔ دیواروں اور پردوں کی کلر اسکیم سے لے کر بیلے اور گلاب کے پھولوں سے سجائی گئی سیج تک ہر شے اتنی پرفیکٹ تھی کہ اسے کہیں کوئی نقص محسوس نہیں ہوا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کی اپنے سجے سنورے وجود پر نظر پڑی تو یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ اس کا وجود اس لائق ہے کہ وہ اس کمرے اور آفاق کی بلاشرکتِ غیرے حق دار قرار پائے دو چار منٹ کے اس جائزے اور تجزیے کے بعد ہی اس نے کمرے کے دروازے پر قدموں کی آہٹ سنی تو ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ہیل کی ٹک ٹک سے اسے یہ تو اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ یہ آہٹ آفاق کی آمد کا اعلان نہیں بلکہ صنفِ نازک میں سے کوئی آیا چاہتا ہے لیکن بہرحال وہ دلہن تھی اور کسی کے سامنے بھی فی الوقت بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کرسکتی۔ آنے والی اس کی منجھلی نند تھی جس نے ہاتھ میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس کے پیچھے ہی اس کی اکلوتی جیٹھانی بھی موجود تھی۔ فیری مائل جیٹھانی صاحبہ نے ساڑی زیبِ تن کر رکھی تھی اور اداؤں سے یوں محسوس ہورہا تھا کہ وہ اس وقت خود کو کسی فلمی ہیروئن سے کم نہیں سمجھ رہی ہیں۔

''بھابی! میں آپ کے لیے یہ دودھ، مٹھائی اور پانی کی بوتل لائی ہوں، جب آپ کا دل چاہے کھا پی لیجیے گا۔'' منجھلی نند نے ٹرے سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو اس کی نظر یونہی اس طرف اٹھ گئی۔ ٹرے میں مٹھائی کی پلیٹ کے ساتھ پانی کی بوتل اور دودھ کا آدھا لیٹر والا ٹیٹرا پیک رکھا تھا۔

''میں گلاس رکھنا بھول گئی ہوں، خیر وہ آپ اپنے جہیز کے برتنوں میں سے نکال لیجیے گا۔ بڑی بھابی نے آپ کے جہیز کے سارے برتن ڈبوں سے نکال کر ڈیوائڈر میں سجا دیے ہیں۔'' وہ تو نوٹ بھی نہیں کرسکی تھی کہ ٹرے میں گلاس موجود نہیں ہے البتہ اس طرح دودھ کا ٹیٹرا پیک رکھ دینا اسے عجیب سا لگا تھا۔ اب جو نند نے کہا کہ وہ اپنے جہیز کا گلاس نکال کر استعمال کرلے تو وہ حواس باختہ ہوگئی اور اسے یاد آیا کہ بہت سی کراکری جہیز میں لانے کے باوجود وہ کوئی واٹر سیٹ ساتھ نہیں لائی ہے۔ حواس باختگی میں زبان سے اس حقیقت کا اعتراف بھی کر بیٹھی۔

''کیا....... آپ کے جہیز میں واٹر سیٹ نہیں ہے؟'' نند نے آنکھیں پھیلا کر یوں حیرت سے پوچھا جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو البتہ جیٹھانی صاحبہ ایک طرف کھڑی ذومعنی انداز میں مسکراتی رہیں۔ عدیلہ کے دل میں کچھ کا سا ہوا اور وہ بات سنبھالنے کے لیے بولی۔

''نہیں، یہ بات نہیں ہے، واٹر سیٹ ہم نے لیا تو تھا لیکن جہیز بھیجتے وقت گھر میں ہی رہ گیا۔''

''چلیں کوئی بات نہیں۔ کل آپ اپنے گھر والوں سے ملنے جائیں تو لے آیئے گا، فی الحال تو بھابی آپ اپنے جہیز کے گلاس انہیں لا کردے دیں۔'' نند کا میٹھے لہجے میں کیا گیا وار ایسا تھا کہ عدیلہ کی ہتھیلیاں تو کیا پورا جسم پسینے میں بھیگنے لگا اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ اس کا کس قسم کے لوگوں سے پالا پڑا ہے۔ اس اثنا میں جیٹھانی بیگم اٹھلاتی ہوئی کمرے سے یوں باہر نکلیں کہ ان کے مصنوعی بالوں کی چوٹی دونوں کولہوں کے درمیان خوب تھرک رہی تھی۔ وہ واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں شیشے کے دو نازک گلاس تھے۔

''یہ لیجیے دیورانی جی...... یہ میرے جہیز کے گلاس ہیں۔ میرے ایک انکل فرانس سے لائے تھے۔ پلیز ذرا احتیاط سے استعمال کرنا...... ایسے نایاب گلاس یہاں نہیں ملتے اور مجھے یہ بڑے عزیز ہیں۔'' جیٹھانی نے ہزار احسان جتا کر گلاس ٹرے میں رکھے تو عدیلہ کی آنکھیں ذلت واذیت کے احساس سے بھیگ گئیں۔ گلاسوں کی سلامتی کی فکر کرنے والی نے ایک جیتی جاگتی لڑکی کا شیشۂ دل کس بری طرح چکنا چور کیا تھا کہ اسے ذرہ بھر بھی احساس نہیں تھا اور وہ یوں اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی جیسے سسرال میں قدم رکھتے ہی پہلے ہی مرحلے میں دیورانی کو پچھاڑ دینے پر بے حد مسرور ہو۔ اپنی جیٹھانی کا یہ فاتحانہ انداز دیکھ کر اسے اماں کی شب وروز کی محنت اور فکر یاد آئی۔ کس جدوجہد سے انہوں نے اس کا جہیز جوڑا تھا اور اپنے تئیں کوئی کسر بھی نہ چھوڑی تھی بس ایک واٹر سیٹ ہی تھا جسے انہوں نے غیر ضروری جان کر صرف یہ سوچتے ہوئے نظر انداز کر دیا تھا کہ اتنی بہت سی کراکری کی موجودگی میں بھلا اتنی معمولی سی شے کی عدم موجودگی کا خیال کسے آئے گا لیکن یہاں نہ صرف خیال آیا تھا بلکہ اسے جتا بھی دیا گیا تھا۔ آگے اور بھی جانے کیا کچھ سامنے آنے والا تھا، وہ تو پہلے ہی قدم پر دل برداشتہ ہوگئی تھی اور بڑی یاسیت سے سوچ رہی تھی کہ مائیں چاہے کتنی بھی جدوجہد کرلیں بیٹیوں کا نصیب اپنے ہاتھ سے نہیں لکھ سکتیں۔ خصوصاً مال وزر کی بنیاد پر ایسی کوئی کوشش کرنا تو قطعی بیکار ہے کیونکہ چیزیں نہ تو کبھی انسان کو عزت دلاتی ہیں اور نہ ہی زندگی بناتی ہیں۔ زندگی تو بس اس ایثار، محبت، خلوص اور خدمت کے بل پر بنی تھی جس کا مظاہرہ اسے آفاق کی محبت کے جواب میں کرنا تھا۔ اپنی زندگی کے اس پل میں اسے احساس ہوا کہ غلطی پر اماں بھی تھیں اور اس کی جیٹھانی بھی ہیں۔ اماں نے چند چیزوں کی بنیاد پر اس سمیت اپنی باقی بیٹیوں کا مستقبل سنوارنے کی کوشش کی تھی اور وہ جس طرح پہلے ہی مرحلے پر اپنی جیٹھانی کے ہاتھوں ناک آؤٹ ہوئی تھی اس سے اماں کی ناکامی کا اظہار ہوگیا تھا۔ اس کی جیٹھانی نے البتہ وقتی کامیابی ضرور حاصل کرلی تھی لیکن چند سال بعد اس وقت انہیں بھی ناکامی کا سامنا کرنا ہوگا جب وہ اپنے ہتھیاروں (ایثار، خلوص، محبت اور خدمت) کے ساتھ زندگی کی جنگ لڑتی ہوئی آفاق سمیت گھر کے ہر فرد کے دل پر راج کررہی ہوگی اور کسی کو یاد بھی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جہیز میں کیا لائی تھی اور کیا نہیں کیونکہ چیزیں ہمیشہ فانی ہوتی ہیں اور دلوں کو جیتنے کا ہنر لافانی......

میکے کی بے پروا زندگی میں اپنی مرضی چلانے اور سمجھوتے نہ کرنے والی عدیلہ سسرال میں آنے کے چند گھنٹے بعد ہی کتنے مختلف انداز میں سوچنے لگی تھی، اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا نہ ہی وہ یہ جان سکی تھی کہ بالکل غیر محسوس انداز میں وہ سمجھوتے کی راہ پر چل پڑی ہے۔ مستقبل کے خوش آئند خواب دیکھنا بھی حال سے ایک سمجھوتا ہی ہوتا ہے جو مشکلوں کو ذرا آسان بنا دیتا ہے۔